قسط۔۴

اُسوۂ حسینی

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

حر کی فوج کے ساتھ جو واقعات امامؑ کو پیش آئے ان کے تذکرہ کا یہ موقع نہیں ہے لیکن صرف اس قدر جو ہمارے موضوع کلام یعنی ثبوتِ رواداری سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرتؑ کا سب سے پہلے فوج حر کو سیراب کر دینا اس کا بہت بڑا ثبوت تھا کہ کوئی جنگجو یانہ جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ نمازِ ظہر کے وقت امام حسینؑ نے دونوں طرف کی فوج کے سامنے تقریر فرمائی۔ جس میں ارشاد ہوا:

''انی لم اٰتکم حتیٰ اتتنی کتبکم وقدمت علیّ رسلکم ان اقدم علینا فانہ لیس علینا امام لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الھدی فان کنتم علیٰ ذلک فقد جئتکم فان تعطونی ما اطمئن الیہ من عھودکم ومواثیقکم اقدم مصرکم وان لم تفعلوا وکنتم لمقدمی کارھین انصرفت عنکم الی المکان الّذی اقبلت منہ الیکم''۔

''میں نے اس وقت تک تمہاری جانب آنے کا خیال نہیں کیا جب تک تمہارے خطوط میرے پاس نہیں گئے اور قاصد نہیں پہنچے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ آیئے شاید آپ کی وجہ سے ہم حق پر مجتمع ہو جائیں۔ اب اگر تم اسی بات پر قائم ہو تو مجھ سے عہد و پیمان کرو اور میں تمہارے ساتھ کوفہ چلنے پر تیار ہوں اور اگر تمہیں یہ منظور نہیں ہے اور میرا آنا ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جاتا ہوں۔''

کیا رواداری اور شورش انگیزی سے علیحدگی کا اس سے بڑھ کے ثبوت ہو سکتا ہے؟

فوج مقابل کی طرف سے کچھ جواب نہیں ملا اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی عصر کے قبل پھر آپ نے تقریر فرمائی اور یہی کہا کہ ''اگر تمہیں میرا آنا پسند نہ ہو تو میں واپس چلا جاؤں۔''

حر نے خطوط کے معاملہ سے اپنی واقفیت کا اظہار کیا۔ حضرت نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا اور انھوں نے دو خورجیاں بھری ہوئی خطوط کی سامنے لا کر پیش کر دیں۔

حر نے کہا مجھے اس سب سے مطلب نہیں، مجھے تو یہ حکم ہے کہ جہاں آپ مل جائیں آپ کو گھیر کر ابن زیاد کے پاس لے چلوں۔

حضرتؑ نے اس سے انکار فرمایا۔ آپ کا کوفہ کی طرف جانا، دو ہی صورتوں سے ہو سکتا تھا۔ یا آپ فاتحانہ صورت سے داخل ہوں یعنی راستہ کے انتظامی افواج کا قلع قمع کرنے، طاقت و اقتدار کے ساتھ کوفہ پر قابض ہوں، مگر اس صورت میں جنگ ناگزیر تھی اور وہ حضرتؑ کی امن پسندی اور صلح پروری کے خلاف تھا اور یا آپ خاموشی کے ساتھ جائیں۔ لیکن یہ اس وقت پر کہ جب فوج دشمن کی موجود ہے اور اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ کو گھیر کر ابن زیاد کے پاس لے جائے اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں گرفتار کرانا ہے اور قید ہو کر دشمن کے پاس جانا ہے۔

اس لئے حضرتؑ کے لئے امن پسندی اور خودداری

دونوں باتوں کی حفاظت کے ساتھ کوفہ جانا ممکن نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ واپس جاتا ہوں، حر نے کہا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے'' اور فوج سدِّ راہ ہوئی۔

جہاں تک کہ زبانی گفتگو کا سلسلہ تھا، آپ الفاظ سے جواب دیتے رہے اور اپنے ارادہ پر مصر تھے، لیکن اب عملی تصادم کی نوبت آگئی تھی۔ حر کی فوج سامنے کھڑی تھی اور آگے بڑھنے کے لئے راستہ نہ دیتی تھی۔

صورتِ حال نازک تھی اور اصحاب کو بھی جوش پیدا ہوگیا۔ لیکن حضرتؑ کو جنگ منظور نہ تھی۔

کافی ردّو بدل ہونے کے بعد حر نے یہ صورت پیش کی کہ آپ نہ تو کوفہ کی طرف جائیں اور نہ مدینہ کی طرف، بلکہ ایسا راستہ اختیار کریں جو کوفہ اور مدینہ کے علاوہ کسی دوسری طرف کو گیا ہو۔ حضرتؑ نے اسے منظور فرمالیا اور یہ چاہا کہ جنگ نہ ہو اگرچہ اس سلسلہ میں آپ کسی ہی سرزمین پر پہنچ جائیں۔

اب ظاہری صورت سے کوئی مقصد امامؑ کے پیش نظر نہیں ہے۔

کوفہ جانا منظور تھا مگر وہ ارادہ بدل چکا، مدینہ جانے کا قصد کیا، اسے فوج مخالف نے گوارا نہیں کیا۔ اب تیسری طرف کا رخ ہے اور کوئی خاص منزل مدنظر نہیں ہے لیکن جاتے جاتے ایک جگہ پر جو پہنچے تو کوفہ کا قاصد حر کے نام خط لاتے ہوئے نظر آیا رواداری کے خلاف تشدد کا مظاہرہ اس کا نام ہے۔

یہ خط ہے کوفہ کے حاکم عبیداللہ بن زیاد کا حر بن یزید ریاحی کے نام جس میں لکھا ہے:

''**اما بعد فجعجع بالحسین حین یبلغک کتابی ویقدم علیک رسولی فلا تنزله الا بالعرآء فی غیر حصین وعلیٰ غیر ماء وقد امرت رسولی ان یلزمک ولا یفارقک حتیٰ یاتینی بانفاذک امری والسلام**''۔

''حسینؑ کے ساتھ سختی سے کام لو اور حسینؑ کو اترنے پر مجبور کرو'' ایک خشک زمین پر جہاں کوئی پناہ لینے کا ٹھکانا اور پینے کے لئے پانی موجود نہ ہو، میں نے قاصد سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے جب تک کہ میرے حکم کی تعمیل نہ ہوجائے۔''

یہ خط تھا جس کے بعد حر امام حسینؑ کی خدمت میں آیا اور کہا: ''دیکھیے یہ ابن زیاد کا خط ہے اور اس میں مجھے آپ کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ قاصد میرے ساتھ ہے اور میں حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔''

اس کے معنی یہ ہیں کہ اب حر آگے بڑھنے سے مانع تھا۔ اور اتنی سختی کے ساتھ کہ حضرتؑ نے فرمایا ہم کو اس قریہ میں قیام کر لینے دو جس کا نام نینوا ہے یا اس میں جس کا نام غاضریہ ہے یا اس میں جس کا نام شفیہ ہے، مگر حر نے کہا کہ مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو کسی آباد مقام پر نہیں بلکہ چٹیل میدان میں اترنے پر مجبور کروں۔ جہاں پانی بھی قریب نہ ہو۔ اصحاب کو جوش پیدا ہوگیا۔ زہیر بن قین نے عرض کیا۔ ''یا ابن رسول اللہ **ان قتال هؤلآء اهون علینا من قتال من یاتینا من بعدهم**''۔ فرزند رسولؐ، ان لوگوں سے جنگ کر لینا ہمارے لیے آسان ہے بہ نسبت ان افواج سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گی لہٰذا ہم کو ان سے لڑ لینے دیجئے۔ مگر امام حسینؑ نے فرمایا۔ ''**ما کنت لا بدأهم بالقتال**''

''میں جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتا۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ قیام کر لو یہیں جہاں یہ کہتے ہیں مگر لڑائی نہ ہونے پائے۔

قیام ہوگیا اور خیامِ آلِ محمدؐ برپا ہوگئے اس صحرا میں جس کا نام ہے کربلا۔

دیکھیے امام حسینؑ کس کس طرح جنگ سے علیٰحدہ رہنا چاہتے ہیں مگر آپ کو کس طرح مجبور کیا جارہا ہے۔

دوسرے ہی دن سے فوجوں کی آمد شروع ہوگئی۔ مشہور

صحابی سعد بن ابی وقاص کا لڑکا عمر کوفہ سے چار ہزار آدمیوں کی معیت میں آیا۔

ملکِ عجم میں بغاوت ہوئی تھی، اور ''دستبی'' کے مقام پر قبیلہ دیلم نے غلبہ پا کر قبضہ کر لیا تھا۔

ابن زیاد نے عمر سعد کو اسی مہم کے لئے مامور کر کے چار ہزار کی فوج سپرد کی تھی اور حکومت رَے کا پروانہ بھی تحریر کر دیا تھا۔ اور ابن سعد اسی فوج کو ساتھ لئے ہوئے بیرون کوفہ مقام ''حمام اعین'' پر خیمہ زن تھا۔ جب امام حسینؑ کا معاملہ پیش آیا تو ابن زیاد نے عمر سعد کو اسی فوج کی معیت میں کربلا جانے کا حکم دے دیا۔

یہ چار ہزار آدمی تو اس طرح پہلے سے تیار تھے ہی، اور وہ ایک مرتبہ کربلا پہنچ گئے۔ اس کے بعد عام فوجی بھرتی شروع ہوگئی اور حکم ہوا کہ جو شخص حسینؑ سے جنگ کے لئے نہ جائے گا اس کا گھر گرا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک شام کا آدمی کسی ضرورت سے کوفہ آیا ہوا تھا اس کو قتل بھی کرا دیا گیا کہ اہل کوفہ کے دل پر رعب چھا جائے اور وہ جنگ کے لئے روانہ ہونے میں پہلو تہی نہ کریں۔

عمر سعد نے کربلا آ کر (چونکہ اس کو احساس تھا کہ مجھے کس سے جنگ کے لئے بھیجا گیا ہے اور یہ جرم کتنا سنگین ہے) امام حسینؑ سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا دیکھنا یہ ہے کہ امام حسینؑ کا طرزِ عمل اس نامہ و پیام کے جواب میں کیسا ہوتا ہے۔ کیا آپ اپنی طرف سے کچھ شرائط کو مسترد کرتے ہیں یا خود ایسے شرائط پیش کرتے ہیں جن میں صلح و آشتی کا جوہر کارفرما ہو۔ مگر دشمن ان کو رد کرتا ہے۔

حضرت نے اپنی طرف سے عمرو بن قرظہ انصاری کو عمر سعد کے پاس روانہ فرمایا کہ آج شب کو مجھ سے دونوں طرف کی افواج کے درمیان میں ملاقات کرنا۔ ''**فخرج عمر بن سعد فی نحو من عشرین فارسا واقبل حسین فی مثل ذلک**''۔ عمر بن سعد کوئی بیس سوار اپنے ساتھ لے کر نکلا اور حضرت بھی تقریباً بیس جان نثاروں کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے۔ ''**فلمّا التقوا امر حسین اصحابه ان یتخوا عنه وامر عمر بن سعد اصحابه بمثل ذلک**''۔ جب دونوں آدمی قریب پہنچے تو امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ وہ آپ سے علیحدہ ہوجائیں جس پر عمر بن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو علیحدہ ہونے کا حکم دیا۔''

دیکھئے سواروں کو اپنے ساتھ لانے کی ابتدا عمر بن سعد کی طرف سے تھی۔ شاید اس خیال سے کہ مخالف کا سامنا ہے۔ معلوم نہیں صورتِ حال کیا پیش آئے۔

غالباً عمر سعد کی اس جمعیت کو ساتھ دیکھ کر امامؑ کے ساتھ اصحاب خود ہو گئے ہوں گے کہ پھر ہم بھی آپ کو تنہا نہ جانے دیں گے لیکن اصحاب کو علیحدہ کرنے میں پہل حضرتؑ کی طرف سے ہے۔ اس سے یہ دکھانا منظور تھا کہ خالص نیت اور صاف دل اور صبر وسکون کے ساتھ گفتگو کرنے کا ارادہ ہے جس میں فوج و جمعیت کی ضرورت نہیں ہے۔ جب عمر سعد نے یہ دیکھا کہ آپ تنہا رہ گئے ہیں اور ساتھیوں کو الگ کر دیا ہے تو اس نے بھی اپنے ساتھیوں کو علیحدہ ہونے کا حکم دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم لوگ سب ہٹ گئے۔ اس طرح کہ نہ ہمیں بات چیت معلوم ہوتی تھی اور نہ آواز سنائی دیتی تھی۔ گفتگو بہت دیر تک ہوئی۔ یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ پھر ہر ایک اپنی جماعت کی طرف واپس گیا۔

گفتگو صیغۂ راز میں تھی۔ مگر لوگوں کو ایسے مواقع پر خواہ مخواہ کے لئے قیاس آرائی کا شوق ہوتا ہے۔ یزید کے ہوا خواہوں نے طرح طرح کی باتیں بنا ڈالیں یہاں تک کہا کہ امام حسینؑ عمر سعد سے کہتے تھے کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو، میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔

لیکن عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ جب سے امام حسینؑ

مدینہ سے روانہ ہوئے اور کوفہ پہنچے۔ وہاں اور یہاں اور راستہ میں کبھی حضرت کی زبان سے یہ نہیں نکلا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔

بے شک جس بات پر تمام راویوں کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ مجھے دور و دراز حدود ملک اور اجنبی شہروں میں چلا جانے دو، تاکہ تمہیں اطمینان حاصل ہو، اور مجھ سے خطرہ باقی نہ رہے۔

عمر سعد نے احساس کیا کہ امام حسینؑ کا طرزِ عمل صلح پسندانہ اور روادارانہ ہے۔ اس نے ابن زیاد کو خط لکھا کہ امام حسینؑ صلح پر آمادہ ہیں وہ لکھتا ہے کہ:

مبارک ہو! خدا نے فتنہ کی آگ کو فرو کیا اور مسلمانوں کے شیرازہ کو مجتمع کیا، اور امت اسلامی کے امر کی اصلاح کی۔ حسینؑ صلح پر آمادہ ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ میں جہاں سے آیا ہوں واپس جاؤں یا دور دراز ممالک میں چلا جاؤں۔

پھر عمر سعد اپنی ذاتی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''ھٰذا لکم رضی وللامته صلاح''

''میرے خیال میں یہ بات ایسی ہے جو تم لوگوں کی مرضی کے مطابق اور امت اسلامی کے صلاح و فلاح کا باعث ہے۔''

طبری میں ہے کہ ابن زیاد نے بہت خوشی کے ساتھ اس رائے کو منظور کرنا چاہا اور کہا:

''ھٰذا کتاب رجل ناصح لامیرہ مشفق علیٰ قومه قد قبلت''

''یہ ایسے شخص کا سا خط ہے جو اپنے حاکم کا خیر خواہ اور اپنی قوم کا ہمدرد ہو۔ بیشک مجھے منظور ہے۔ مگر شمر بگڑ گیا۔ اور کھڑے ہو کر کہنے لگا:''

''بھلا ایسا موقع جس کے ہاتھ آئے وہ اسے چھوڑ دے؟ حسینؑ آپ کے پہلو میں آ گئے ہیں۔ اگر آج وہ چلے گئے اور انہوں نے آپ کی اطاعت اختیار نہ کی۔ تو پھر یاد رکھیئے کہ قوت و عزّت انہی کا حق ہے اور کمزوری و عاجزی آپ کا حصہ۔ میری رائے میں کبھی ان کی یہ خواہش منظور نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں بڑی ذلّت ہے اور کمزوری کی دلیل ہے۔ بے شک انہیں آپ کے حکم پر راضی ہو جانا چاہیئے۔ یعنی وہ یہ کہہ دیں کہ جو ابن زیاد میرے ساتھ چاہے سلوک کرے۔ اگر آپ انہیں قتل کرنا چاہیں تو آپ کا حق ہے اور اگر معاف کر دیں تو اس کا بھی آپ کو اختیار ہے۔ رہ گیا عمر سعد اس کا کیا ذکر۔ میں نے تو سنا ہے کہ پوری پوری راتیں حسینؑ کے ساتھ باتوں میں گزر جاتی ہیں۔''

ابن زیاد پر دنیا طلبی کے جذبات غالب آ گئے اور اس نے کہا:

نعم ما رائیت الرائ رائیک۔ ''کیا کہنا تیرا رائے تو تیری رائے ہے۔''

اس کے بعد اس نے شمر کو بلا کر ایک خط اس کے سپرد کیا، اور کہا یہ خط میرا عمر سعد کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے سامنے میرے حکم کی پابندی کا مطالبہ پیش کرے۔ اگر وہ منظور کریں تو وہ ان کو خاموشی کے ساتھ میرے پاس بھیج دے اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کرے۔ اگر عمر سعد اس حکم کی تعمیل کرے تو خیر نہیں تو وہ معزول ہے اور تم اس کی جگہ سردار لشکر ہو۔ تم جنگ کرنا اور عمر سعد کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دینا۔

وہ خط جو عمر سعد کے نام تھا حسب ذیل ہے:

امّابعد فانی لم ابعثک الیٰ حسین لتکفّ عنه ولتطاوله ولا لتمنيه السلامة والبقاء ولا لتقعد له عندی شافعا انظر فان نزل حسین واصحابه علی الحکم واستسلموا فابعث بهم الیّ سلما وان ابو افازحف الیهم حتی تقتلهم ان انت مضیت لامرنا فیه جزیناک جزآء السامع المطیع وان ابیت فاعتزل علمنا وجندنا

وخلّ بین شمر بن ذی الجوشن وبین العسکر فانّا قد امرناہ بامرنا والسّلام۔

''میں نے تجھ کو حسینؑ کی جانب اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو ان کے ساتھ مراعات کرے یا ان کے ساتھ معاملات کو طول دے یا ان کو زندگی کی امیدیں دلائے یا میرے پاس بیٹھ کر ان کی سفارش کرے۔ دیکھ اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب سب میرے حکم کے اوپر رضامند ہوں اور جو میں ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہوں اس کو منظور کرلیں تو ان کو آہستگی کے ساتھ میرے پاس بھیج دے اور اگر انکار کریں تو ان کے اوپر حملہ کردے یہاں تک کہ انہیں قتل کرڈالے۔''

اس کے بعد انتہائی سخت اور تشدد آمیز احکام کیفیت شہادت اور اس کے بعد کے متعلق ہیں جو کسی طرح انسانیت و شرافت کے حدود میں داخل نہیں ہیں اور اس کے بعد یہ ہے کہ اگر تو نے ان احکام کا اجرا کیا تو خیر۔ تجھے معاوضہ ملے گا۔ وہ جو ایک وفادار اطاعت گزار کو ملنا چاہیے اور اگر تو نے اسے منظور نہ کیا تو لشکر کی سرداری سے علیٰحدہ ہوجا اور اسے شمر کے سپرد کردے جس کو ہم نے کافی ہدایتیں کردی ہیں۔

شمر یہ خط لے کر کربلا پہنچا اور عمر سعد کو دیا۔

دیکھیے شہامتِ طبع ایسی تو ہو۔ ثباتِ قدم اور استقلال ایسا ہو جس کا دشمن بھی احساس رکھتے ہوں اور اس کا اعتراف کرتے ہوں۔ عمر سعد نے خط دیکھا اور بغیر اس کے کہ امام حسینؑ کے پاس جاکر اس کے مضمون کی اطلاع دے اس نے اپنے مقام ہی پر کہہ دیا اور شمر سے خطاب کیا۔

''مالک ویلک لا قرب اللہ دارک وفتح ما قدمت بہ علیّ واللہ انّی لا طنک انت ثنیہ ان یقبل ما کتبت بہ الیہ افسدت علینا امرا کنا رجونا ان یصلح لا یستسلم واللہ حسین ان نفسا ابیّۃ بسین جنبیہ''۔

''یہ تو نے کیا کیا؟ خدا تجھ سے سمجھے، خدا تجھے غارت کرے اور برا کرے اس پیغام کا جو تو میرے پاس لایا ہے خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو ہی نے ابن زیاد کو میرے مشورہ کے قبول کرنے سے روک دیا اور اس بات کو بگاڑ دیا، جس کے بن جانے کی ہم کو امید تھی۔ خدا کی قسم حسینؑ کبھی اپنے تئیں ابن زیاد کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیں گے۔ یقیناً حسینؑ ایک غیور دل اپنے سینہ میں رکھتے ہیں۔''

یہ تھا آپ کا استقلال کہ جس کا دشمن کے دل پر اثر قائم تھا اور وہ کہتا تھا کہ:

''ان کے پہلو میں ذلّت سے انکار کرنے والا، ایک خوددار دل ہے۔''

شمر نے کہا کہ ان باتوں کو جانے دو، یہ بتاؤ کہ اب کرو گے کیا؟ اپنے حاکم کے حکم پر عمل کرو گے یا سرداریٔ لشکر میرے سپرد کرو گے؟

عمر سعد نے چارو نا چار کہا کہ ''نہیں، میں خود ہی اس حکم پر عمل کروں گا سپہ سالاری ترک کرنا مجھے منظور نہیں ہے۔''

اب عمر سعد کو فکر ہوگئی کہ کہیں جلدی حملہ ہوجائے تاکہ میری وفاداری و خیر خواہی میں کمی نہ ثابت ہو۔ نویں تاریخ کا دن قریب ختم اور عصر کا وقت بھی منقضی ہوچکا تھا شام کا وقت قریب تھا۔ جب عمر سعد نے حکم دے دیا کہ پوری فوج حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ پر ٹوٹ پڑے۔

اچانک، بلا اطلاع، امام حسینؑ اپنے خیمہ کے دروازہ پر تلوار کا سہارا لئے ہوئے گھٹنوں پر سر رکھے کچھ غنودگی کے عالم میں کہ ایک مرتبہ دشمن کی حملہ آور فوج کے شور و غل کی آواز خیمہ میں گئی اور جناب زینبؑ کے کان میں پہنچی اور آپ مضطرب ہوگئیں۔ امام حسینؑ کو بیدار کیا۔ حضرتؑ نے جناب عباسؑ کو بلایا، فرمایا جاؤ دیکھو تو واقعہ کیا ہے اور یہ ناگہانی حملہ کیسا ہے؟ جناب عباسؑ بیس انصار کے ساتھ تشریف لے گئے فرمایا: ''ما بدالکم وماتریدون''۔

''تمہاری رائے کیسے بدلی اور کیا چاہتے ہو؟''

معلوم ہوا ابن زیاد کا خط آیا ہے کہ یا امامؑ اپنے تئیں اس کے رحم وکرم کے حوالہ کردیں اور یا جنگ کی جائے۔

آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو میں حضرتؑ سے دریافت کرلوں پھر جواب دوں گا۔

''فانصرف العباس راجعا یرکض الی الحسین یخبر بالخیر''۔

''جناب عباسؑ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ سے صورت حال کا تذکرہ کریں۔''

بیس آدمی جو ساتھ گئے تھے وہ دشمن کے مقابل کھڑے رہے اور اس موقع کو غنیمت سمجھ کر یہ چاہا کہ تبلیغ کے فرض کو انجام دے لیں۔ حبیب بن مظاہر نے زہیر بن قین سے کہا کہ دل چاہے تو ان لوگوں سے کچھ باتیں کرو اور نہیں، کہو تو میں گفتگو کروں زہیر نے کہا۔ ''تمہارے ہی دل میں خیال آیا ہے تو تمہیں گفتگو بھی کرو۔''

حبیب بن مظاہر نے مخالف فوج کے سامنے تقریر شروع کی۔ کہنے لگے۔ **''اما واللہ لبئس القوم عنداللہ ھذا قوم یقدمون علیہ قد قتلوا ذریّۃ نبیّہ وعترتہ واھل بیتہ وعباد اھل ھذاالمصرالمجتھدین بالاسحار و الذاکرین اللہ کثیرا۔''**

''کیوں مسلمانو! کیا اس جماعت سے بڑھ کر روزِ قیامت کوئی قوم رسوا ہوگی جو اس طرح خدا کا سامنا کرے کہ اس نے اپنے نبیؐ کی اولاد کو قتل کیا ہو اور ان کی عترت واہلبیتؑ کا خون بہایا ہو، اور اس شہر کے ان عبادت گزار بندوں کو قتل کیا ہو جو راتوں کو جاگ کر بسر کرتے اور خدا کے ذکر میں برابر مصروف رہتے تھے۔''

گفتگو ہو رہی تھی کہ جناب عباسؑ واپس آئے، کہا۔ ''امامؑ نے ایک شب کی مہلت مانگی ہے۔ صبح کو دیکھا جائے گا۔''

عمر سعد کے لئے شمر کی موجودگی انتہائی دہشت انگیز۔ اس کو اپنی وفاداری وخیر خواہی کا ثبوت بہم پہچانا۔ سرداری لشکر کہیں ہاتھ سے نہ جائے۔ حاکم کے خیالات خراب نہ ہوں۔ وہ شمر کی طرف متوجہ ہوا۔ کہا۔ کیوں تمہاری کیا رائے ہے؟''

اس نے کہا۔ ''جو تمہاری رائے۔''

میری تو رائے ہے کہ مہلت نہ دی جائے۔'' یہ عمر سعد کا انتہائی تشدد آمیز رویّہ تھا جو اس نے صرف سالاریٔ لشکر کے چلے جانے کے خوف میں اختیار کیا تھا۔

پھر دوسرے سردارانِ لشکر کی طرف متوجہ ہوا۔ ''کیوں تمہاری کیا رائے ہے''؟

عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا:

''سبحان اللہ واللہ لو کانوا من الدیلم ثم سألوک ھذہ المنزلۃ لکان ینبغی لک ان یتحبھم الیھا''

''واہ! اگر کفار ترک ودیلم بھی ہوتے اور وہ اتنی رعایت کے طالب ہوتے تو ان کے ساتھ اتنی رعایت کرنا چاہئے تھی۔''

''قیس بن اشعث نے بھی کہا کہ ''خواہش منظور کرو اور مہلت دے دو۔''

یہ ایک رات کی مہلت تھی جو لے لی گئی۔ کیا کسی جنگ کی تیاری کے لئے؟ نہیں صرف خدا کی عبادت کے لئے، نماز و تہجد کے لئے۔

شب گزری اور نہیں کہنا چاہتا، کس طرح گزری، صبح ہوئی اور عاشور کی قیامت خیز صبح، پیمانہ لبریز ہے، پانی سر سے اونچا ہے۔ حملہ ہو چکا اور کوئی امید صلح کی باقی نہیں رہی۔ لیکن حسینؑ اب بھی امن پسندی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مثال ناممکن ہے۔ اتمام حجت کی اتنی منزلیں، امن پسندی کے اتنے مظاہرات، ایک ایسے شخص

کی طرف سے جو اپنی جان کے خوف سے ایسا نہ کر رہا ہو۔ جس نے موت کو اپنی آخری منزل سمجھ لیا ہو اور اس کا اعلان کرتا رہا جو موت کا استقبال کشادہ پیشانی کے ساتھ کرنے پر تیار ہو۔ (جیسا کہ واقعات نے یقینی طور پر ثابت کر دیا ہے) اس کے بعد یہ امن پسندی، یہ صلح پروری، یہ اشتعال سے علیحدگی، یہ اپنے جوش کی روک تھام یہ اپنے ساتھیوں کے جذبات کی نگہداشت۔

یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ امام جہاد بالسیف سے پہلے جہاد بالنفس کی منزل طے کر رہے تھے۔ جہادِ اصغر کے ساتھ جہادِ اکبر کا فرض ادا کر رہے تھے۔

حسینؑ نے صبح کی میدانِ جنگ میں، رات بھر کے جاگے خدا کی عبادت کئے، نمازِ صبح کے فرض سے فراغت پاتے ہی دشمن کی صفوں کا سامنا، مگر اب امامؑ کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے۔

یاد رکھیئے جنگ کی سواری ہے گھوڑا۔ عام سفر کی سواری ہے ناقہ، اس لئے عرب میں سفر کو جو جاتے تھے تو گھوڑا ساتھ رکھتے تھے، کہ جنگ ہوگی تو گھوڑے پر سوار ہولیں گے۔

ناقہ ہے امن کی سواری، فوج کی ترتیب ہو چکی مگر حسینؑ ناقہ طلب کرتے ہیں۔ ناقہ پر سوار ہوئے، قرآن اپنے ہاتھ میں لیا۔ صفوفِ لشکر کے سامنے تشریف لائے تقریر شروع کی اور بلند آواز سے جو فوج کے اکثر حصّہ تک پہنچ سکتی تھی۔ ارشاد فرمایا:

''ایھا الناس اسمعوا قولی ولا تعجلونی حتیٰ اعظکم بالحق لکم علیّ''۔

''ایہا الناس! میری بات سنو، جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ میں تم کو نصیحت کروں اس حد تک جو تمہارا حق ہے میرے اوپر'' (کہ تمہیں بے خبر نہ رہنے دیا جائے اور حقیقتِ حال سے مطلع کر دیا جائے جس کے بعد اتمامِ حجت میں کوئی کمی نہ رہے۔ یہ ہے ایک ہادئ برحق کی شان کہ ایسے موقع پر بھی ہدایت میں کوتاہی نہیں کرتے، امامت کے فرض کو انجام دے رہے ہیں۔)

''وحتیٰ اعتذر الیکم من مقدمی علیکم فان قبلتم عذری وصدقتم قولی واعطیتمونی النصف کنتم، بذلک اسعد ولم یکن لکم علیّ سبیل وان لم تقبلوا منی العذر ولم تعطوا النصف من انفسکم فاجمعوا امرکم وشرکاء کم ثم لا یکن امرکم علیکم غمّۃ ثم اقضوا الیّ۔ لا تنظرون ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولیّ الصالحین''۔

''میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اپنا عذر پیش کردوں، کہ میں کیوں آیا اور کس لئے تمہارے شہر کا رخ کیا؟ اگر تم نے میرے عذر کو تسلیم کیا، اور میرے کہے کو مانا اور میرے ساتھ انصاف کیا۔ تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی اور تم کو اس وقت میرے خلاف قدم اٹھانے کا کوئی حق معلوم نہ ہوگا اور اگر تم نے میرے عذر کو نہ مانا اور انصاف کرنا نہ چاہا تو مجھ کو کوئی پرواہ نہیں ہے تم اور جس جس کو چاہو تمام دنیا کی جماعتوں کو اپنے ساتھ متفق کرلو، اور میری مخالفت پر ہم آہنگ ہو جاؤ۔ پھر دیکھو کوئی حسرت تمہارے دل میں نہ رہ جائے اور پوری طاقت سے میرا خاتمہ کر دو۔ مجھے ایک لحظہ کی بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو بس خدا پر ہے جس نے قرآن کو نازل کیا ہے اور اچھے اعمال والوں کا وہی مددگار ہے۔''

جب آپ کا خطبہ یہاں تک پہنچا تو مخدراتِ عصمت سے جو حضرتؑ کی تقریر پر گوش برآواز تھیں گریہ کا شور بلند ہوا۔ حضرتؑ نے جناب عباسؑ و علی اکبرؑ کو بھیجا کہ انھیں خاموش کرو۔ ابھی کیا ہے؟ رونے کا موقع تو زیادہ بعد کو آئے گا۔

جب رونے کی آواز موقوف ہوئی تو حضرت نے حمدِ خدا ادا فرمائی اور حمد وصلوٰۃ میں بہت دیر تک اپنی زبان کو مصروف رکھا۔ یہ اطمینانِ قلب ہے۔ یہ ثباتِ قدم ہے جس کا تاریخ میں

ان الفاظ میں تذکرہ ہے کہ:

''حمدللہ و اثنیٰ علیہ و ذکر اللہ بما ھو اھلہ و صلّی علیٰ محمد صلی اللہ علیہ و علیٰ ملٰئکۃ و انبیائہ فذکر من ذلک ما اللہ اعلم و ما لا یحصیٰ ذکرہ''۔

''حمدِ خدا ادا کی اور حضرت احدیت کے ان اوصاف کا تذکرہ کیا جو اس کی شانِ جلال و کمال کے لائق ہیں اور جناب رسالت مآبؐ پر درود بھیجا، اور بہت دیر تک حضرتؐ کے اوصاف کو بیان فرمایا۔''

راوی بیان کرتا ہے۔''فو اللہ ما سمعت متکلما قط قبلہ و لا بعدہ ابلغ فی منطق منہ''۔

''خدا کی قسم اس دن کے قبل اور اس دن کے بعد میں نے حضرتؑ کا ایسا فصیح البیان مقرر نہیں دیکھا۔''

پھر فرمایا:

''اما بعد فانسبونی فانظروا من اناثم ارجعوا الیٰ انفسکم وعاتبوھا فانظر واھل یحلّ لکم قتلی وانتھاک حرمتی''۔

''ذرا میرا نام ونسب تو بتلاؤ۔ ذرا دیکھو تو کہ میں کون ہوں؟ پھر خود اپنے نفسوں کی طرف رجوع کرو۔ اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو، اور خود اپنے آپ سے جواب دہی کرو۔ غور کرو کہ تمہارے لئے میرا خون بہانا اور میری ہتک حرمت کرنا جائز ہے''؟

''الست ابن بنت نبیکم و ابن وصیہ و ابن عمہ و اوّل المؤمنین باللہ و المصدق لرسولہ بما جاء بہ من عند ربّہ''۔کیا میں نہیں ہوں تمہارے نبیؐ کا نواسہ اور ان کے وصی ان کے چچازاد بھائی اور ان کے اوپر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے کا فرزند۔''

''اولیس حمزۃ سیدالشھدآء عمّ ابی'' کیا حمزہؑ جنھیں متفق طور پر سیدالشہدا کہتے ہیں وہ میرے باپ کے حقیقی چچا نہیں تھے؟ اولیس جعفر الشھید الطیّار ذو الجناحین عمّی''۔کیا جعفرؑ طیار جنھیں بعوضِ شہادت خدا نے دو پَر پرواز عطا کئے، میرے ہی چچا نہیں تھے؟''اولم یبلغکم قول مستفیض فیکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قال لی ولاخی ھذا ان سیّد اشباب اھل الجنّۃ'' کیا یہ حدیث تمہارے گوش زد نہیں ہوئی جو زبان زدِ خلائق ہے، کہ حضرت رسولؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا، کہ یہ دونوں جوانان اہلِ جنت کے سردار ہیں۔''

''فان صدقتمونی بما اقول وھو الحق واللہ ما تعمدت کذبا مذعلمت ان اللہ یمقت علیہ اھلہ ویضربہ من اختلقہ''۔

اگر تم مجھے سچا سمجھتے ہو اور میری بات کو سچ جانتے ہو (اور وہ حقیقتاً سچی ہی ہے۔ اس لئے کہ جب سے میں سنِ تمیز کو پہنچا، کبھی کوئی کلمہ میری زبان سے جھوٹ نکلا ہی نہیں) تو خیر۔''

''وان کذبتمونی فان فیکم من ان سألتموہ من ذلک اخبرکم سلوا جابر بن عبداللہ الانصاری او ابا سعید الخدری او سھل بن سعد الساعدی اوزید بن ارقم او انس بن مالک یخبروکم انھم سمعوا ھٰذہ المقالۃ من رسول اللہ لی ولاخی۔''

''اور اگر تم میری بات کو غلط سمجھو تو اسلامی دنیا میں ابھی ایسے اشخاص موجود ہیں کہ اگر تم ان سے دریافت کرو تو وہ تمہیں بتلادیں گے۔ دریافت کرو جابر بن عبداللہ انصاری سے۔ ابو سعید خدری سے سہل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم سے، انس بن مالک سے، یہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے اپنے کانوں سے رسالت مآبؐ کو یہ حدیث فرماتے ہوئے سنا: افما فی ھٰذا حاجز لکم عن سلفک دمی۔''

''کیا رسالت مآبؐ کی یہ حدیث تم کو میری خونریزی

سے روکنے کے لئے کافی نہیں ہے؟''

''فان کنتم فی شک من ھٰذا القول افتشکون انی ابن لبنت نبیّکم فو اللہ ما بین المشرق و المغرب ابن بنت نبیؐ غیری منکم و لا من غیر کم انا ابن بنت نبیّکم خاصة''۔

''اچھا اگر اس حدیث میں تم کو شک ہے کہ میں تمہارے رسولؐ کا نواسہ ہوں خدا کی قسم مشرق و مغرب عالم میں کسی نبی کا نواسہ میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ بس میں ہی ہوں جو خاص تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ یعنی یہودیوں کے نبی کا نہیں، نصاریٰ کے نبی کا نہیں۔ خاص تم مسلمانوں کے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔''

''اخبرونی اتطلبونی بقتیل منکم قتلته او مال لکم استھلکته او بقصاص من جراحة''۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ میرے قتل پر کیوں آمادہ ہوئے ہو؟ کیا کسی اپنے مقتول کا بدلہ لیتے ہو جو میرے ہاتھ سے قتل ہوا ہے؟ یا کسی مال کا اپنے مطالبہ کرتے ہو جسے میں نے تلف کر دیا ہے یا کسی زخم کا قصاص چاہتے ہو؟''

ایک خاموشی سی چھائی رہی اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ جس کے بعد حضرت نے خاص طور سے شیث بن ربعی، حجار بن ابجر، قیس بن اشعث یزید بن حارث کو آواز دی اور فرمایا: **''الم تکتبوا الیٰ ان قد ابنعت الثمار واخضر الجناب ولھمت الأجام وانّما تقدم علیٰ جندلک مجنّد۔''**

''کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ میوے پختہ و رسیدہ ہیں۔ کھیتیاں لہک رہی ہیں۔ چشمے پر آب ہیں۔ لشکر آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں۔''

ان لوگوں نے (یہ جرأت دیکھنے کے قابل ہے) پکار کر کہا۔ ''ہم نے تو نہیں لکھا تھا۔''

حضرت نے فرمایا۔ **''سبحان اللہ بلیٰ واللہ لقد فعلتم''** یوں انکار کرنے کو انکار کرو مگر خدا کی قسم تم نے لکھا تھا، اور ضرور لکھا تھا۔''

پھر حضرت عام لشکر کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا:

''ایھا الناس اذ کر ھتمونی فدعونی انصرف عنکم الی مأمنی من الارض''۔ جب تمہیں میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے واپس چلا جانے دو۔ ایسی جگہ جہاں میں امن و امان سے زندگی کے دن بسر کرسکوں۔''

(یہ وہی مطالبہ ہے جو حضرت نے حر کی فوج کے سامنے کیا تھا اور وہی آج پیش ہو رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کا مسلک امن و امان کی حفاظت اور جنگ سے کنارہ کشی کا جو پہلے تھا وہ برابر قائم رہا۔ نہ تو بعد کے حالات سے مشتعل ہو کر اس مسلک سے ہٹے اور نہ یہی ہے کہ بعد کے حالات سے مجبور ہو کر موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اس مسلک کو آپ نے اب اختیار کیا ہے۔)

قیس ابن اشعث نے (یہ محمد ابن اشعث کا بھائی ہے اور جعدہ بنت اشعث اس کی بہن، جعدہ وہ کہ جو امام حسنؑ کو زہرخورانی کی براہِ راست ذمہ دار اور محمد بن اشعث وہ کہ جو حضرت مسلمؑ کی مخالف فوج کا سردار اور آپ کی گرفتاری کا بانی اور قتل کا ذمہ دار یہ قیس انہی دونوں بھائی بہن کا بھائی ہے) پکار کر کہا۔ ''تو کیوں آپ یزید کی بیعت نہیں کر لیتے''؟

حضرتؑ نے فرمایا: ''ہاں کیوں نہ ہو، تو اسی اپنے بھائی کا تو بھائی ہے جس نے مسلمؑ کو قتل کیا ہے۔'' **لا و اللہ لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل و لا اقر اقرارا یعید عباد اللہ انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون اعوذ بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب۔**

''خدا کی قسم یہ تو نہ ہوگا کہ میں اپنے کو ذلّت کے ساتھ اس کے سپرد کردوں اور غلامانہ زندگی کا اپنے لئے اقرار کرلوں۔

یہ ناممکن ہے، میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میرے دامن پر کوئی دھبہ آئے۔ میں پناہ مانگتا ہوں ہر اس جابر وسرکش سے جو روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔''

حجّت تمام ہوچکی اور تقریر ختم ہوئی۔ حضرت نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ناقہ کو باندھ دو۔ آپ ناقہ سے اتر آئے اور وہ باندھ دیا گیا۔(۱)

دیکھئے امام حسینؑ جس اصول پر ابتدا سے قائم تھے اسی پر آخر تک قائم رہے۔ آپ نے یہ کہا کہ مجھ کو کسی طرف چلا جانے دو۔ مجھ کو پہاڑوں کی طرف نکل جانے دو۔ مگر کوئی بات منظور نہ ہوئی۔ سوال تھا اور بس ایک کہ ''اپنے تئیں ابن زیاد کے سپرد کردیجئے۔ یزید کی بیعت کرلیجئے'' وہ کہ جسے حسینؑ مذہب کی پامالی سمجھتے تھے۔ اس کو حسینؑ نے گوارا نہ کیا۔ یہ چیز ایسی تھی جس نے نمایاں طور پر ظاہر کردیا کہ آپ کے خلاف جو جماعت ہے وہ بالکل سختی پر آمادہ ہے۔ اس کو اخلاق اور شائستگی سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ وہ چیز ہے جس نے ایسے لوگوں پر بھی اثر ڈالا جو حسینؑ کے مخالف تھے اور بعض نیک بندے ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے یزید کے لشکر سے کنارہ کشی کرلی اور امامؑ کا ساتھ دیا۔ جیسے حر بن یزید ریاحی۔ وہ ہی حر جو کل امامؑ کے لئے سدِّ راہ بنا تھا اور گھیر کر کربلا لایا تھا۔ آج وہ ضمیر کی ہدایت سے مجبور ہوتا اور ابن سعد کی ہمراہی ترک کردیتا ہے جو چیز اس پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی تھی۔ وہ انہی امام حسینؑ کے صلح پسندانہ مطالبات کا مسترد ہوجانا، جیسا کہ تاریخ میں ہے جس وقت لشکر صف آرا ہوچکا تو حر عمر سعد کے پاس آیا اور کہا ''**مقاتل انت هذا الرجل**'' ''کیا تم اس شخص (حسینؑ) سے واقعی جنگ کروگے؟''

عمر سعد نے کہا۔ ''**ای واللہ قتالا ایسرہ ان تسقط الرؤس وتطیح الابدی**''۔

''بے شک، ایسی سخت جنگ جس کا معمولی نتیجہ یہ ہے کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ کٹ کٹ کے زمین پر گرتے ہوں۔''

حر نے کہا۔ **فما لکم فی واحدة من الخصال التی عرض علیکم رضا۔**

''کیوں یہ اتنے مطالبے حسینؑ نے پیش کئے۔ ان میں سے کوئی تمہاری منظوری کے قابل نہیں ہے۔''

اس نے کہا: ''**واللہ لو کان الامر الیّ لفعلت ولکنّ امیرک قد ابیٰ ذٰلک**''۔ ''خدا کی قسم اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں منظور کرلیتا۔ مگر میں کیا کروں تمہارا حاکم (ابن زیاد) نہیں مانتا۔''

حر عمر سعد سے گفتگو کو بیکار سمجھ کر اس سے علیٰحدہ ہوا۔ قرہ بن قیس حر کے قبیلہ کا شخص اس کے ساتھ تھا۔ اس کو یہ کہہ کر اپنے پاس سے ٹالنا چاہا کہ ''قرہ! تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟'' قرہ نے کہا ''ابھی پلائے لاتا ہوں۔'' وہ گھوڑے کو پانی پلانے گیا اور حر آہستہ آہستہ حسینؑ کے لشکر سے نزدیک ہونے لگا۔ مہاجر بن اوس جو انہی کے قبیلہ کا ایک دوسرا شخص تھا۔ اس نے کہا۔ کیوں کیا حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟'' حر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جسم میں لرزہ کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔

مہاجر نے کہا۔ ''حر یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ پھر یہ جو میں اس وقت دیکھ رہا ہوں یہ کیا ہے''؟

حر نے کہا: ''میرے سامنے اس وقت جنت اور دوزخ کا سوال پیش ہے۔ خدا کی قسم میں تو جنت کے اوپر کسی چیز کو مقدم نہیں سمجھتا ہوں۔ چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں اور مجھے آگ میں جلا دیا جائے۔'' یہ کہتے کہتے گھوڑے کو چابک لگایا اور آنِ واحد میں حسینی لشکر میں

(۱) طبری، ج۶، ص۲۴۲، ۲۴۳۔

پہنچ گیا۔(۱)

ایک دوسرا مجاہد یزید بن زیاد بن مہاجر۔ اس کے متعلق تاریخ میں یہ ہے۔

''کان ممن خرج مع عمر بن سعد الیٰ الحسین فلمّا ردّ واالشروط علی الحسین مال الیه فقاتل معه حتی قتل''۔''یہ بھی عمر سعد کی فوج میں اس کے ساتھ آئے تھے۔لیکن جب امام حسینؑ کے مطالبات کو نامنظور کیا گیا تو یہ امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کی حمایت میں جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے۔''(۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے طرزِ عمل میں صلح پسندانہ پہلو اس درجہ نمایاں تھا جس کا دشمنوں پر اثر پڑ رہا تھا اور وہ آپ کے ہمدرد بن رہے تھے۔

آپ اپنے طرزِ عمل سے برابر یہ ثابت کرتے رہے کہ میں اپنی طرف سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ اس وقت کہ جب امامؑ خاموشی کے ساتھ اپنے خیمہ کے دروازہ پر کھڑے تھے اور خیمہ کی پشت پر خندق میں آگ بھڑک رہی تھی ، ایک سوار سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق اس طرف سے گزرا اور خیموں کے اوپر نظر ڈالی تو چاروں طرف ان کے آگ مشتعل نظر آئی ۔ اس نے پکار کر انتہائی سخت الفاظ میں ایک جملہ کہا، جسے سن کر اصحاب بے چین ہو گئے ۔ امامؑ نے فرمایا:''یہ کون ہے؟ غالباً شمر بن ذی الجوشن ہے''۔ اصحاب نے عرض کیا۔ ''ہاں فرزندِ رسولؐ! یہ وہی ہے۔''حضرتؑ نے فرمایا۔

''جہنم کی آگ میں جلنے کا مستحق تو ہے۔''

مسلم بن عوسجہؑ نے جو نہایت ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ مگر جملہ ایسا تھا کہ تمام اصحاب میں جوش پیدا ہو گیا تھا۔ عرض کی ''جعلت فداک الا ارمیه بسهم فانه قد امکننی ولیس یسقط سهم فالفاسق من اعظم الجبارین''۔

(۱) طبری، ج ٦، ص، ۲۴۴۔(۲) طبری، ج، ٦، ص ۲۵۵۔

میری جان آپ پر نثار۔ اجازت ہوتی ہے کہ ایک تیر ماردوں؟ اس وقت یہ بالکل زد پر آ گیا ہے، تیر خطا نہیں کرے گا اور آدمی بڑا فاسق وفاجر ہے۔''

حضرت نے فرمایا: ''لا ترمه فانی اکره ان ابدأهم''''نہیں ایسا نہ کرنا۔ میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔''(۱)

تاریخ ان واقعات سے مملو ہے۔

دنیا میں جنگ کا قاعدہ تھا۔لڑائی کا عام قانون تھا کہ بڑے سے بڑے بہادر اور شہسوار بھی جنگ میں زرہ پہنتے تھے۔امیر المومنینؑ جن کی شجاعت کا دنیا میں سکہ قائم ہے وہ بھی جنگ میں زرہ پوش ہوتے تھے۔ ہاں اتنا ہے کہ آپ کی زرہ بس سامنے کے رخ پر تھی اور پس پشت کی طرف نہ تھی، رسالت مآبؐ جو تمام صفات حتیٰ کہ شجاعت میں بھی افضلِ خلق تھے، وہ بھی زرہ ضرور پہنتے تھے (حضرت عباس بن المطلب اور امیر المومنینؑ کا ایک ظاہری اختلاف میراث نبیؐ کے متعلق جو پیدا ہو گیا تھا اس میں زرہ کا تذکرہ موجود ہے)

مگر کربلا میں حسینؑ کو اتنا بڑا معرکہ سر کرنا تھا۔ اتنی عظیم جنگ کرنا تھی اور تاریخ میرے سامنے ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ صرف ایک کرتا پہنے ہوئے تھے خز کا (خز ایک باریک کپڑا ہے جو ریشم کی طرح کا ہوتا ہے) اور سر پر عمامہ باندھے تھے جس کو لڑنا منظور ہوتا ہے وہ یونہی میدان جنگ میں آتا ہے؟(۲)

اصحاب بھی کس کے اصحاب تھے؟ وہ بھی اپنے اخلاق، اپنی تہذیب، اپنی شائستگی میں بالکل اپنے رہنما کے قدم بقدم تھے۔ وہ بھی اسی طرح تبلیغ، اتمامِ حجت کے فرائض کو ادا کر رہے تھے جیسے ان کا امامؑ۔

(۱) طبری، ج، ٦، ص ۲۴۲۔

(۲) طبری، ج، ٦، ص ۲۵۹۔

دنیا میں ہزاروں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ہزاروں واقعات پیش آئے ہیں لیکن کسی رئیس کسی سالارِ فوج کے ساتھی۔ اس طرح اس کے ہر قول، ہر ہدایت، ہر دلی منشاء کے مطابق عامل نہیں رہے ہیں۔ جس طرح حسینؑ کے ساتھی۔ چنانچہ اس موقع پر جب امام حسینؑ وہ تقریر فرما چکے جس کا تذکرہ ہم نے سابق میں کیا ہے تو زہیر بن قین صف سے باہر نکلے۔ گھوڑے پر سوار۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ مگر کیا جنگ کے لئے باہر آئے ہیں؟ نہیں۔ صرف ہدایت اور اتمام حجت کے لئے، خطاب کیا افواجِ اہل کوفہ سے ''یااھل الکوفۃ نذارلکم من عذاب اللہ نذار انّ حقّا علی المسلم نصیحۃ اخیہ المسلم ونحن حتّی الأن اخوۃ وعلی دین واحد وملّۃ واحدۃ مالم یقع بیننا وبینکم السیف وانتم النصیحۃ منّا اھل فاذا وقع السّیف انقطعت العصمۃ وکنا امّۃ وانتم امّۃ''۔

''اے کوفہ کے لوگو! میں تم کو ڈراتا ہوں خدا کے عذاب سے اور تم کو اس سے ڈرنا چاہیئے۔ ایک مسلمان پر حق ہے دوسرے مسلمان کا کہ وہ اسے نصیحت کرے۔ ہم ابھی تک آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی مذہب اسلام کے پیرو اور ایک ہی ملّت نبویہ کے تابع ہیں مگر اس وقت تک کہ جب تک ہمارے تمہارے درمیان تلوار نہیں چلی ہے اور اس وقت تک تم ہماری طرف سے نصیحت کے بھی مستحق ہو۔ ہاں بے شک جس وقت شمشیر زنی کی نوبت آ گئی۔ بس اس وقت حقوقِ اسلامی کی حفاظت کا سلسلہ ختم اور ہم ایک امت اور تم دوسری امت ہو گئے۔''

''ان اللہ قد ابتلانا وایاکم بذریّۃ نبیّہ محمد صلی اللہ علیہ وألہٖ وسلم لینظر ما نحن وانتم عاملون انا ندعوکم الیٰ نصرھم وخذلان الطاغیۃ عبید اللہ بن زیاد فانکم لا تدرکون منھما الاّ بسوء عمر سلطانھما کلہ لیسملان اعینکم ویقطعان ایدیکم وارجلکم ویمثلان بکم ویزفعانکم علیٰ جذوع النخل ویقتلان اما ثلکم وقراء کم امثال حجر بن عدی واصحابہ وھانی بن عروۃ والبشاھہ''۔

''دیکھو خدا نے ہماری بھی آزمائش کی ہے اور تمہاری بھی، اپنے نبیؐ کی اولاد کے ذریعہ سے تاکہ وہ دیکھے ہمارا کیا طرزِ عمل ہوتا ہے اور تمہارا کیا؟ ہم تم کو دعوت دیتے ہیں، ان کی مدد اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑنے کی طرف، دیکھو، یزید اور ابن زیاد سے تم ان کی مدتِ سلطنت بھر سوائے برائی کے کوئی اچھا سلوک نہ پاؤ گے وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھرواتے اور تمہارے ہاتھ پاؤں قطع کرتے اور تم کو مثلہ کرتے اور تم کو سولیوں پر چڑھاتے ہیں اور وہ تمہارے اچھے اچھے اشخاص اور حفاظ قرآن کو جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی اور ہانی بن عروۃ وغیرہ کو قتل کرتے رہتے ہیں۔''

کوفہ والے خوشامدی لوگوں نے ابن زیاد کی تعریف کرنا شروع کر دی اور کہا ''ہم تمہارا کہنا کبھی نہیں مانیں گے، بلکہ تم کو اور ان کو جو تمہارے امامؑ ہیں قتل کر کے ہی دم لیں گے۔''

زہیر اس کے بعد بھی خاموش نہ ہوئے اور ہدایت کرتے رہے مگر شمر بن ذی الجوشن نے تیر لگایا اور کہا۔ ''بس خاموش رہو، خدا تمہاری زبان کو خاموش کرے۔''

زہیر نے تیر کے آنے کی پروا نہ کی۔ نشانہ کو خالی کر دیا۔ مگر سلسلۂ تقریر کو قطع ہونے نہیں دیا۔ امام حسینؑ نے یہ دیکھ کر کہ بات کا جواب تیر سے دیا جا رہا ہے، زہیر کے لئے خطرہ کا احساس فرمایا۔ اور کہلوایا۔ ''اقبل فلعمری لئن کان مؤمن اٰل فرعون نصح لقومہ وابلغ فی الدّعآء لقد نصحت ھٰولآء وابلغت لو نفع النّصح والابلاغ۔''

''بس اب واپس چلے جاؤ، اگر مومن آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کر دی تھی اور اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا تھا تو

تم نے بھی ان کی نصیحت میں کوتاہی نہیں کی۔لیکن نصیحت وتبلیغ سےکوئی فائدہ بھی تو ہو۔'' زہیر واپس آ گئے۔(۱)

اب تک اتمامِ حجت کی منزلیں تھیں۔اب تک اصلاح کی کوششیں تھیں لیکن دھوپ چڑھ چکی ہے۔دن کا کچھ حصّہ گزر چکا ہے۔عمر سعد نے لشکر کو آگے بڑھایا درید کو آواز دی۔''علم اپنا قریب لا۔'' درید علمبردار لشکر تھا۔رایت جنگ کو قریب لایا عمر سعد نے تیر اپنا چلّہ کمان میں جوڑا،فوج حسینی کی طرف رہا کیا اور کہنے لگا۔اشھدوا انی اوّل رمیٰ۔

''گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے لگایا ہے۔''(۲)

بس یہ تھا آغازِ جنگ ، رواداری کا دور ختم ہوا،صلح کے مواقع باقی نہیں رہے اب حسینؑ ہیں اور استقلال،ثابت قدمی ہے اور پُرجگری۔حمایتِ باطل سے علیٰحدگی،بات پر مرمٹنا۔اب یہ ثابت کرنا ہے کہ''ہم جان دیں گے مگر فاسق وفاجر کی بیعت نہ کریں گے۔دنیا سے اپنی ہستی کے فنا ہونے پر راضی ہوجائیں گے۔مگر اسلام کے فنا ہونے پر راضی نہ ہوں گے۔''

بیعت کا سوال جب ہوا،حسینؑ نے یہی کہا کہ موت بیعت سے بہتر ہے۔

راستہ میں جب حر کہتا ہوا جارہا تھا۔''دیکھیے اپنے اوپر رحم کیجئے میں دیکھتا ہوں کہ آپ قتل ہوجائیں گے۔'' تو آپ نے فرمایا تھا۔

''افبالموت تخوفنی وھل بعد و بکم الخطب ان تقتلونی ما ادری ما اقول لک ولکن اقول کما قال اخو الاوس لابن عمّہ ولقبہ وھو یرید نصرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقال لہ این تذھب فانک مقتول فقال''۔

سامضی وما بالموت عار علی الفتیٰ
اذا ما نویٰ حقّا وجاھد مسلما

''کیوں حر تو مجھ کو موت سے ڈراتا ہے؟ سب سے زیادہ جو بات تمہارے ہاتھ میں ہے، وہ یہی تو کہ مجھے قتل کرڈالو!میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تجھے کیونکر سمجھاؤں۔

لیکن میں وہ کہتا ہوں جو قبیلۂ اوس کے شخص نے کہا تھا جب وہ رسالت مآبؐ کی مدد کو جارہا تھا۔اور اس کے بھائی نے کہا تھا۔''کہاں جاتا ہے تو قتل ہوجائے گا۔'' تو اس نے کہا۔''میں جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا،اور موت میں کوئی ننگ و عار نہیں ہے، جوانمرد کے لئے جب وہ حق پر قائم رہے اور حق پر جان دے''(۱)

وہ تو صلح پسندی کا اظہار تھا۔اسلام کی تعلیم کا ثابت کرنا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو وہاں تک جنگ سے علیٰحدہ رہو، ورنہ حسینؑ موت سے خوف تھوڑی رکھتے تھے وہ اس باپ کے بیٹے تھے جس کا قول تھا کہ''مجھ کو پرواہ نہیں ، میں موت کی طرف جارہا ہوں۔یا موت میری طرف آرہی ہے۔'' وہ اس باپ کے بیٹے تھے جو کہتا تھا۔''علیؑ کو موت سے اتنی محبت ہے جتنی کسی دودھ پیتے بچہ کو اپنی ماں کی آغوش سے محبت ہوتی ہے۔''

حسینؑ نے بھی اپنے عمل سے اس کو ثابت کردیا۔وہ تو وہ ان کے بچے اسی اصول پر قائم تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ انسان کے لئے حق پر قائم رہنا ہزار زندگیوں سے بہتر ہے۔

راستے کا واقعہ ہے۔جب حضرتؑ قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے ہیں ایک جگہ آپ کی آنکھ لگ گئی ہے۔چونکے تو زبان پر یہ کلمہ تھا۔''انا للہ وانّا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین'' شاہزادہ علی اکبرؑ نے عرض کیا ''کیوں بابا کیا ہے؟'' حضرتؑ نے فرمایا۔

''میں نے خواب میں دیکھا،ایک سوار ہے جو کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تو جارہے ہیں اور موت ان کے عقب میں ہے۔'' میں نے سمجھا کہ یہ ہمارے موت کی خبر دیتا ہے۔''

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

(۱)طبری،ج۶،ص،۲۴۳۔۲۴۴(۲)طبری،ج،۶،ص۲۴۵۔

(۱)طبری،ج،۶،ص۲۲۹۔

جس سے درگاہ کی بنا ہوئی تھی جس کا وزن تیرہ سیر تھا اسے سب نے درگاہ سے نکلتے دیکھا کہ صحن میں شہتوت کے درخت تک آیا۔ پھر کسی نے اس کا نشان نہ پایا۔ شرف الدولہ غلام رضا خاں (جگنا تھ بقال) نے اس کے لئے بڑی کوششیں کی۔ کہتے تھے جو پتہ لگا کر لا دیگا اس کو ایک ہزار روپیہ دوں گا۔ مفتاح الدولہ بھی دینے کو تیار تھے مگر اس کا حال مطلق نہ معلوم ہوا کہ کس کے ہاتھ لگا اور کس کے پاس رہا بعد غدر درگاہ نزول سرکار ہوگئی دو ایک سال کے بعد غلام رضا خاں نے اسے واگذار کرایا اور انہیں کی ضمانت سے دوبارہ کھلی۔ فی الجملہ اس کی تیاری بھی موصوف نے کی کل اسباب وعلم خاص لٹ چکا تھا امیر الدولہ میر مہدی نے کچھ شیشہ آلات وغیرہ بے مصرف سمجھ کر درگاہ میں چڑھا دیا۔ شرف الدولہ غلام رضا خاں نے کچھ جدید سامان اپنی طرف سے بھی درگاہ میں چڑھایا اور اس کی کل آمدنی خود لے کر درگاہ میں صرف کرتے تھے۔ شرف الدولہ غلام رضاخاں کے انتقال کے بعد حسب الارشاد واجد علی شاہ نواب پیارے صاحب (خلف نواب حسن علی خاں) جن کی ہمشیرہ واجد علی شاہ کے متعہ میں تھیں درگاہ کے متولی مقرر ہوئے۔ بعد غدر نواب امیر الدولہ پسر کلاں نواب رکن الدولہ محمد حسن خاں بن نواب سعادت علی خاں نے صحن درگاہ میں ایک مختصر سا حوض تعمیر کرایا جس کی تعمیر کی تاریخ سلیماں علی خاں اسدؔ نے نظم کی جو درج ذیل ہے:۔

چشمۂ فیض چو نواب امیرالدوله
کرد تعمیر پئے نذر امام دوسرا
حوضِ نایاب بدرگاه جناب عباسؑ
گشت مشہور جہاں ہمت آں بحرِ سخا
صرف زر شد چو دریں وجه حسن بہر حسین
قلمم کرد رقم ثانئ کوثر بادا

۱۲۹۵ھ

اس درگاہ میں زیادہ تر حاضری چڑھائی جاتی تھی جس میں پہلے شیر مال کباب ادرک، پنیر، مولی کی قاشیں، پیاز کا لچھا اور پودینہ ہوتا تھا مگر اب شیر مال کے علاوہ دوسری چیزوں میں بہت کمی ہوگئی ہے چند پھول والے اور شیرینی فروش اب بھی صرف جمعرات جمعرات چند گھنٹوں کے لئے دوکانیں لگاتے ہیں۔ بعض اوقات دولھا دلھن اور مسلمانوں کے نوشاہ بھی بعد غسل صحت یہاں حاضری دیتے ہیں۔ نواب سعادت علی خاں کے بعد سے یہ دستور تھا کہ جو نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا وہ اس آستانہ پر شاندار شاہی جلوس کے ساتھ ضرور حاضر ہوتا موجودہ دور کا اگر زمانہ گذشتہ سے مقابلہ کیا جائے تو زمین وآسمان کا فرق ہوگیا ہے۔ درگاہ بھی قائم ہے اور علم وزائرین بھی وہاں جاتے ہیں۔ چڑھاوے بھی چڑھتے ہیں مگر انقلاب زمانہ کے ہاتھوں نہ وہ زمانہ شاہی کی ایسی شان وشوکت ہوتی ہے نہ وہ اگلی سی بھیڑ بھاڑ نہ وہ پہلی سی چہل پہل گویا

ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ ذی الحجہ ومحرم ۱۳۲۵ھ/نومبر دسمبر ۱۹۴۵ء ص/۵۵ تا ۶۲/

۞۞۞

(صفحہ ۱۸ کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

شاہزادہ نے کہا۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ ”کیوں نہیں۔“

شاہزادہ نے کہا۔ ”بابا پھر ہمیں موت کی کیا پروا۔ موت آئے گی تو حق پر آئے گی۔“

امامؑ خوش ہوگئے۔ فرمایا:

جزاک اللہ من ولد خیر ما جزیٰ ولداعن والدہ۔

”خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ بہترین بدلہ جو کسی فرزند کو اس کے باپ کی طرف سے دیا جاتا ہو“(۱)

یہ تھا وہ جوہر جو آخر وقت تک آپ کے طرز عمل میں نمایاں تھا۔ آپ کے اصحاب کے طرزِ عمل میں نمایاں تھا۔ آپ کے اعزّا کے طرز عمل میں نمایاں تھا۔۔۔۔(جاری)

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۳۱، ۲۳۲